وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

رضوان اللہ فیصل آباد

قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ اس کے نزول سے لیکر اب تلک ہر دور میں جہاں مسلمانوں نے اس کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کی وہیں غیر مسلم حضرات بھی اس کے لازوال حسن سے متاثر ہوتے رہے۔ انفرادی سطح پر اگر قرآن کو حجت تسلیم کیا گیا تو اجتماعی معاملات بھی اسی کی روشنی میں طے کئے گئے۔ بہت سے تشنگان علم اس کی علمیت سے پیاس بجھاتے رہے اور بہت سے مائلین عمل بھی قرآن کی سطور میں لائحہ عمل تلاش کرتے رہے۔ اور ...ا بھی ...... کا منہج ہے ... اپنی فکری بنیادیں قرآنی ...م کے تحت ہی استوار کی ...یں اور پھر ان بنیادوں پر ... دیواریں بھی قرآنی ...ئے تلے تعمیر ہوں۔ لیکن ...بھی ایک ہولناک حقیقت ہے کہ اسی قرآن سے بہت سے ایسے مقاصد حاصل کرنے کی بھی کوشش کی گئی جنہیں اسلامی تعلیم سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ پہلے نظریات قائم کئے گئے پھر ان کے دلائل ڈھونڈے جانے لگے۔ پالیسیاں پہلے بنالی گئیں اور انہیں مذہبی دلائل کی امداد بعد میں دی گئی۔ عقائد تو پہلے گھڑ لئے گئے اور قرآن کی ورق گردانی بعد میں شروع ہوئی۔ اور یہ غلط طرز عمل بھی اسی طرح مسلسل قائم رہا جس طرح صالحین کا صحیح طرز عمل۔

بات قرآن سے غلط نظریات کشید کرنے تک ہی محدود رہ جائے تو شاید یہ قابل قبول ہو مگر خود ساختہ نظریات کو قرآنی لبادہ اوڑھا کر دوسروں پر اسے مسلط کرنے کی کوشش اور نہ ماننے کی صورت میں فسق و فجور کے فتوے تو یہ کسی صورت بھی قابل قبول نہیں عجیب اندھیر نگری ہے کہ اگر کوئی درد دل رکھنے والا ان حضرات کو اس غلط روئیے سے باز رکھنے کی کوشش کرے اور ان کے باطل نظریات کی جڑیں صحیح قرآنی تعلیم کی روشنی میں کھوکھلی کرنا چاہے تو الٹا اسی بیچارے کو مورد الزام ٹھہرایا جائے۔ جب جنگ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین صلح وصفائی کی کوششیں شروع ہوئیں اور دونوں طرف سے فیصلہ کرنے کیلئے حکم مقرر کئے گئے تو خارجیوں نے جنہیں اس صلح میں اپنی موت نظر آ رہی تھی کھل کر اس کی مخالفت کی اور دلیل کے طور پر قرآن کی ہی ایک آیت ان الحکم الا للہ فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے۔ پیش کرنے لگے حضرت علی نے جب قرآن کی آیت کی غلط تعبیر کو دیکھا تو فوراً کہا کلمة الحق ارید بها الباطل کہ بات تو حق ہے مگر اس سے مراد غلط لی جا رہی ہے۔

لیکن خارجی اسی بات پر مصر تھے کہ وہ قرآنی آیت پیش کر رہے ہیں اور علی و معاویہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ حالانکہ مخالفت آیت کریمہ کی نہیں بلکہ ان کی کج فہمی کی تھی۔

دلوں کے بھید تو اللہ جانتے ہیں کہ اس کج فہمی کے پیچھے ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور مفادات تھے یا وہ سادہ لوحی کی وجہ سے اس کج فہمی کا شکار ہوئے۔ صالحین تو ہمیشہ حسن ظن سے کام لیتے ہیں اور مخالف فریق کی ہدایت کیلئے دعا گو ہوتے ہیں اور یہی وہ حسین طرز عمل ہے جس کی تائید قرآن و سنت کی تعلیم میں واضح دیکھی جاسکتی ہے۔

اس مضمون میں بھی ہمیں ایک ایسی تحریر کا جائزہ لینا ہے جس میں قرآن کی آیت وجاهدهم به جهادا كبيرا اور ان سے جہاد کرو ساتھ اس کے بڑا جہاد کا مفہوم غلط سمجھا گیا ہے۔ ہمارے پیش نظر مجلة الدعوة جنوری 2001ء کی وہ تحریر ہے جسے احسان اللہ شہباز صاحب نے رقم کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم کچھ گزارشات ان کی خدمت

> لیکن یہ بھی ایک ہولناک حقیقت ہے کہ اسی قرآن سے بہت سے ایسے مقاصد حاصل کرنے کی بھی کوشش کی گئی جنہیں اسلامی تعلیم سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ پہلے نظریات قائم کئے گئے پھر ان کے دلائل ڈھونڈے جانے لگے۔ پالیسیاں پہلے بنالی گئیں اور انہیں مذہبی دلائل کی امداد بعد میں دی گئی

ہیں پیش کریں سے اور پنی مدت ان کے مضمون کا تجزیہ کریں گے امید ہے احسان اللہ بھائی ہماری اس تحریر کو مناظرے بازی کی بجائے وتواصوا بالحق مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں۔ کے تحت اصلاح کی کوشش سمجھیں گے اور ان پر خلوص دل سے غور فرمائیں گے۔

وجاھدھم بہ جھادا کبیرا کا مفہوم آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

اے نبی آپ تو ان سے جہاد کریں گے اور تلوار سے انہیں سیدھا کریں گے احسان بھائی یقین جانیئے جب ہم نے آپ کا بیان کردہ مندرجہ بالا مفہوم پڑھا تو ایک دفعہ بل کر ضرور رہ گئے زبان سے فورا نکلا یا اللہ ابھی تو نزول قرآن کو فقط پندرہ صدیاں گزری ہیں ابھی تو قرآنی علم رکھنے والے بھی موجود ہیں اس کے باوجود آیت قرآنی کی ایسی تاویل کہ جو نہ ہی آیت کے الفاظ کا ساتھ دے اور نہ ہی سیاق وسباق کا۔

جس رکوع میں یہ آیت ہے اسے پورا پڑھ جائیے کہیں بھی آپ کا بیان کردہ مفہوم صحیح نہیں بیٹھتا۔ اسلام کے منکرین کو توحید و رسالت اور آخرت کے دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ سائے کی حرکت، سورج کی حرکت کے ساتھ، سائے کا گھٹنا بڑھنا، رات و دن کا آنا، نیند کا ذریعہ آرام ہونا، بارش اور اس کی خبر دینے والی ہوائیں، مردہ زمین کا جی اٹھنا، انسانوں اور جانوروں کی پیدائش یہ اشیاء دلیل ہیں اس چیز کی کہ خدا کا وجود بھی ہے اور وہ تنہا کائنات کا مالک بھی ہے۔ رسول اسی کی طرف سے ہے۔ آخرت کا وجود بھی عقل کے مطابق ہے جس طرح ہر شے کا کوئی مالک و خالق ہے اسی طرح سورج اور سائے کی مقدار کا گھٹاؤ اور بڑھاؤ اور رات دن کی آمد بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ کوئی ایسی ذات بھی مانی جائے جو ان تمام اشیاء کی مالک و خالق ہے۔ جو ان کی تدبیر کرتی ہو۔ خدا کا وجود اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جس طرح وہ بارش (رحمت) سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے۔ تو اسی طرح جنت کی بشارت دینے والا رسول بھی بھیج سکتا ہے۔ مردہ زمین پھر سے زندہ ہو سکتی ہے۔ تو وہ خدا مردہ انسانوں کو بھی آخرت میں دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ ان دلائل پر نظر ڈالیئے! کتنے محکم اور مضبوط دلائل ہیں کوئی بھی غیر متعصب اس کو پڑھ کر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ قرآن کے ان دلائل و براہین کا ہی کمال تھا کہ کفر کی آغوش میں بسنے والے لوگ ان کے سامنے لمحہ بھر نہ ٹھہر سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی کو تلقین کی کہ کفار کے ناجائز مطالبوں کی پرواہ کئے بغیر وجاھدھم بہ جھادا کبیرا اس قرآن کے ذریعے جو کہ برہان و دلیل کا انمول مجموعہ ہے۔ منکرین کے ساتھ جہاد کرتے چلے جائیں اور اس کام میں اپنی حتی المقدور کوششیں صرف کر دیں۔

مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں بہ ضمیر کا مرجع قرآن ہی ہے۔ اب قرآن کی جگہ تلوار کو اس کا مصداق قرار دینا کج فہمی تو ہو سکتی ہے قرآن فہمی نہیں۔ قرآن فہمی کیلئے جہاں اور کئی باتیں ملحوظ رکھنا پڑتی ہیں وہاں دوسری آیات کے ذریعے تفسیر کرنا بھی ایک اہم چیز ہے۔ وجاھدھم بہ جھادا کبیرا کا حکم قرآن میں فقط ایک جگہ ہی نہیں آیا بلکہ اور بھی مقامات پر یہ حکم موجود ہے جیسے سورۃ ق میں ارشاد ہوا۔ فذکر بالقرآن من یخاف وعید ''قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو نصیحت کیجئے جو میری وعید سے ڈرتے ہوں'' اور پھر تاریخ بھی گواہ ہے کہ جب آپ نے کفار کا قرآن کے دلائل و براہین کے ذریعے ناطقہ بند کیا تو انہیں اور تو کچھ نہ سوجھی وہ قرآن سننے سے ہی احتراز کرنے لگے اور لاتسمعوا بھذا القرآن والغوا فیہ'' کہہ کر قرآن کے دلائل قاطع اور اس کی اثر پذیری سے اس کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے لگے جو حقائق سے منہ موڑ کر اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے۔

احسان اللہ صاحب آپ لکھتے ہیں کہ:

جاھدھم کو بھی مستقبل کے انداز میں بیان کرنا چاہیے۔

آپ کی یہ منطق سمجھنے سے ہم بالکل قاصر ہی رہے ہیں آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ الحکیم ہے جس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں اتنا باتدبیر ہے کہ وہ اس کام کا حکم دے رہا ہے جو فی الحال ہو نہیں سکتا کیا اس شخص کو عقلمند قرار دیا جا سکتا ہے جو کسی کو کھانا کھانے کیلئے کہے اور حالانکہ کھانا وہاں موجود ہی نہ ہو۔ کتنی دانش و انصاف سے گری بات ہے کہ وہ بے عقلی کا عیب جو ہم کسی انسان کے بارہ میں تو نہ لگا سکیں مگر اللہ کریم کی ذات کے ساتھ وہ عیب جڑ دیا جائے؟

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے قصاص کا حکم تب دیا جب قصاص نافذ کرنے والی ریاست وجود میں آ چکی تھی۔ زکوۃ کی وصولی کا حکم اسی وقت دیا گیا جب ایک منظم اجتماعی معاشرہ قائم ہو چکا تھا۔ سیاسی و تمدنی احکام اسی وقت دیئے گئے جب سیاست کا ادارہ بن چکا تھا اب یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اللہ نبی اکرم کو تلوار کا حکم تو دے دیتا مگر

یہاں ایک اور بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ اصل مسئلہ وجاھدھم بہ جھادا کبیرا میں بہ کے مرجع کا ہے۔ جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی کوئی اصطلاح اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ یہاں کبیرا کا لفظ جہاد کے ساتھ ''شدت'' کے معنی میں آیا ہے نہ کہ اکبر کی اصطلاح کیلئے ہے وہ جہاد جہاد اکبر ہے جس کا حالات تقاضا کرتے ہیں اگر زمانہ امن ہے تو دعوت و تبلیغ جہاد اکبر ہے

ت نہ پیدا کرتا جن میں آپ کیلئے تلوار اٹھانا ہوا۔

کیا آپ کی قرآن فہمی کا نمونہ دیکھ کر مسلم مسلمانوں کے خدا پر یہ اعتراض نہیں جڑیں گے کہ یہ نبی ایک طرف مکہ میں تلوار اٹھانے کا حکم دے رہا ہے اور دوسری طرف مکہ میں ہی تلوار نہ اٹھانے کا؟ کیا اس سے زیادہ تضاد بیانی کہیں اور دکھائی جا سکتی ہے؟ محترم اسلام عملی دنیا کا مذہب ہے یہ کوئی ذہنی ورزش نہیں کہ ذہنی طور پر حکم پہلے دے دیا جائے لیکن اجازت بعد میں دی جائے۔ حضرت محمد ﷺ کو قرآن اکٹھا نہیں دیا گیا بلکہ یہ تقریباً تیئس سال کے طویل عرصہ میں گاہے بگاہے نازل ہوتا رہا ہے۔ حالات جس حکم کا تقاضا کرتے تھے وہ حکم نازل کر دیا جاتا تھا۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ حکم پہلے آ جائے اور اس کا محل موجود ہی نہ ہو۔

یہاں ایک اور بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ اصل مسئلہ وجاھدھم بہ جھادا کبیرا میں بہ کے مرجع کا ہے۔ جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی کوئی اصطلاح اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ یہاں کبیرا کا لفظ جہاد کے ساتھ ''شدت'' کے معنی میں آیا ہے نہ کہ اکبر کی اصطلاح کیلئے ہے وہ جہاد جہاد اکبر ہے جس کا حالات تقاضا کرتے ہیں اگر زمانہ امن ہے تو دعوت و تبلیغ جہاد اکبر ہے اور اگر اسلامی ریاست پر حملہ ہو جائے تو جنگ کا زمانہ ہو تو اسلامی ریاست کیلئے اس وقت قتال ہی جہاد اکبر ہے۔ اصل میں یہ مسئلہ افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے۔ خالص تبلیغی ذہن رکھنے والے اس اصطلاح کو تبلیغ پر محمول کئے بیٹھے ہیں اور محض قتالی ذہنیت رکھنے والے اسے قتال کا مترادف قرار دیتے ہیں حالانکہ حق کچھ اور ہے جو ثابت کرتا ہے کہ وقت اور حالات کے ساتھ اس اصطلاح جہاد اکبر کا استعمال دونوں کاموں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

احسان اللہ صاحب! یہ ہے کہ مذکورہ آیت قرآنی کا صحیح معنی و مفہوم اب ہم آئندہ سطور میں آپ کی پیش کردہ دس آیات کا صحیح مطلب و معنی لکھتے ہیں کہ جنہیں سمجھنے میں مذکورہ آیت کی طرح آپ نے ٹھوکر کھائی ہے۔

دس آیات لکھتے ہوئے آپ نے جو ترتیب اختیار کی ہے ہم اس کی بجائے چار سرخیوں کے تحت آیات کو لکھتے ہوئے جواب دیں گے اور جن آیات میں آپ نے ایک جیسی غلطی کی ہے ان کو ایک سرخی کے نیچے لکھیں گے:

پیشین گوئیوں سے غلط استدلال:

جب بعثت ہوئی تو بہت سے لوگ آپ سے بھی مستقبل کے بارہ میں خبریں پوچھتے حتی کہ نبی کے لفظ کا لغوی معنی ہی مخبر اور پیشین گو کا ہے اور یہ قرآن کی صداقت کی دلیل تھی کہ اس نے ایسی پیشین گوئیاں کیں جنہیں کاہنوں کے اٹکل پچو سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اس نے کبھی مغلوب رومیوں کی فتح کی پیشین گوئی کی تو کبھی مسلمانوں کی حقیر و بے بس جماعت کو یستخلفنھم فی الارض کہہ کر حکومت ملنے کی بشارت دی

اس سے پہلے کہ ہم آپ کی پیش کردہ آیات لکھ کر اس پر بحث کریں ہم چاہتے ہیں کہ پیشین گوئی کا کچھ پس منظر بیان کر دیں۔

مستقبل کے بارہ میں تجسس انسانی فطرت میں شامل ہے اور اس کی خبر دینے والے کی تعظیم بھی ہمیشہ سے لوگ کرتے آئے ہیں نبی اکرم ﷺ کے دور بعثت سے پہلے عرب میں اس کا اچھا خاصا رواج تھا کاہن حضرات لوگوں کو مستقبل اور غیب کی خبریں خاص قسم کی مسجع و مقفع عبارتوں کے ذریعے دیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو بہت سے لوگ آپ سے بھی مستقبل کے بارہ میں خبریں پوچھتے حتی کہ نبی کے لفظ کا لغوی معنی ہی مخبر اور پیشین گو کا ہے اور یہ قرآن کی صداقت کی دلیل تھی کہ اس نے ایسی پیشین گوئیاں کیں جنہیں کاہنوں کے اٹکل پچو سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اس نے کبھی مغلوب رومیوں کی فتح کی پیشین گوئی کی تو کبھی مسلمانوں کی حقیر و بے بس جماعت کو یستخلفنھم فی الارض کہہ کر حکومت ملنے کی بشارت دی۔ خیبر کی فتح کی پیشین گوئی فجعل من دون ذالک فتحا قریبا کے الفاظ میں نازل ہوئی تو ان الذی فرض علیک القرآن لرآدک الی معاد کی آیت کریمہ اپنے جلو میں فتح مکہ کی پیشین گوئی لے کر آئی۔ اور پھر دنیا نے بھی دیکھا کہ قرآن کی غیب کی خبریں کس طرح صداقت کے عرش پر براجمان ہوئیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل تھی کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے۔

احسان اللہ صاحب آپ کی پیش کردہ آیت سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر ۴۵)

عنقریب یہ جماعتیں شکست کھائیں گی اور پیٹھ دے کر بھاگ جائیں گی۔

بھی پیشین گوئی کی قبیل ہے۔ جب کفار کا ہر طرف سے اسلام کے خلاف محاذ کھول دیا گیا تھا۔ اور مقصد مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا تھا۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت کی شکل میں خوشخبری سنائی کہ عنقریب یہ جتھا توڑ دیا جائے گا اور وہ پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہونگے۔ اور پھر بدر کے موقع پر اس خبر کی تصدیق ہوئی جب قریش مکہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

یہ حقیقت ہے سیھزم الجمع ویولون الدبر کی آیت کریمہ کی۔ جو ایک پیشین گوئی تھی اور پیشین گوئی کہتے ہی اسے ہیں جو وقت

سے پہلے دی جائے۔ اب ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس پیشین گوئی اور وجاھدھم بہ جھادا کبیرا کی آیت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ غیب کی خبر اور حکم دینے میں جو فرق ہے وہ ایک سادہ سی بات ہے لیکن معلوم نہیں آپ اس سے بے خبر کیوں ہیں؟ ایک شخص کہتا ہے تم لاہور چلے جاؤ گے۔ اور کوئی دوسرا کہتا ہے لاہور جاؤ۔ ان دونوں فقروں میں ہر دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والے دماغ کیلئے واضح فرق موجود ہے۔ اور پھر آپ کا یہ سوال کرنا کتنا مضحکہ خیز ہے کہ بتایئے مکہ میں کونسی جماعت نے شکست کھائی اور پشت پھیر کر بھاگی؟ حالانکہ قرآن کا ایک عام قاری بھی یہ سمجھتا ہے۔ کہ اس آیت میں زمانہ حال نہیں بیان ہو رہا۔ جو ہم اس شکست کو اسی وقت مکہ میں ڈھونڈتے پھریں۔ بلکہ یہ مستقبل کے ساتھ خاص خبر ہے۔

جند ماھنالک محزوم من الاحزاب (ص ۱۱) کی آیت میں آپ کو جو اشکال ہے اس کی بنیاد یہ غلطی ہے کہ مھزوم کا ترجمہ شکست کھائے ہے اس لئے اس آیت کے مکی ہونے کی وجہ سے مکہ میں ہی شکست دکھانی پڑے گی حالانکہ یہ آیت بھی اک پیشین گوئی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس غیب کی خبر کو مستقبل کے الفاظ میں بیان نہیں کیا گیا۔ اور مستقبل کے بارہ میں یہ اسلوب ہماری زبان میں بھی معروف ہے کوئی ملازم درخواست لے کر سرکار کے پاس جائے اور وہ کہے کہ تمہارا کام ہو گیا تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تمہارا کام ہو جائے گا۔ مستقبل کو ماضی میں بیان کریں تو اس میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے تمہارا کام ہو گیا۔ یعنی ضرور ہو جائے گا۔ اس طرز کلام کی مثالیں قرآن میں اور جگہ پر بھی دیکھی جا سکتی ہیں جیسے ازلفت الجنة للمتقین اس کا لفظی ترجمہ تو یہی بنے گا کہ جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی گئی۔ لیکن اس سے مراد یہی ہے کہ جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ ہماری اس بات کی وضاحت قرآن کے بیان سے بھی ہو جاتی ہے کہ

وعدہ اللہ وھو یومئذ بمکة انه سیھزم جندا من المشرکین فجاء تاویلھا یوم بدر۔ کہ اللہ نے مکہ میں آپ سے مشرکین کی شکست کا وعدہ کیا تھا جو یوم بدر کو پورا ہوا۔ یعنی مھزوم سے مراد مستقبل میں کفار کی شکست کا وعدہ ہی ہے۔ اور مستقبل کی خبر اور وجاھدھم جیسے حکم میں جو فرق ہے وہ ہم پچھلی سطور میں واضح کر چکے ہیں۔

علم ان سیکون منکم مرضی واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ واخرون یقتلون فی سبیل اللہ یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے اور کچھ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے سفر کر رہے ہوں گے اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں لڑائی (قتال) کر رہے ہوں گے۔ (المزمل) آپ لکھتے ہیں وہ کون لوگ تھے جو مکہ میں قتال کیا کرتے تھے اور اللہ کے راستے میں لڑا کرتے تھے؟

آپ کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے خود ہی ایک غلطی کرتے ہیں اور پھر اسی غلطی کو دوسروں کا مؤقف سمجھ کر اس پر اپنے سوالات کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ تو آپ کی غلط فہمی ہے جو اس آیت میں آنے والے لفظ یقتلون سے غلط سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ اس کا معنی قتال کر رہے ہیں ہے۔ حالانکہ واضح بات ہے کہ اس سورۃ میں تہجد کے احکامات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ تہجد کے متعلق آسانی دے رہے ہیں۔ کہ اب وقت آ چکا ہے۔ کہ عنقریب تمہیں اللہ کی راہ میں قتال کی اجازت دے دی جائے گی اور تم قتال فی سبیل اللہ کرو گے اور ظاہر ہے کہ تمہاری مصروفیات بڑھ جائیں گی اس لئے تمہیں تہجد کے معاملہ میں آسانی ہے کہ اب یہ تم پر فرض نہیں رہی۔ اس آیت میں تو آنے والے وقت کے کچھ اشارات ہیں اور اس لحاظ سے بھی اک مستقبل کی خبر ہے اس لئے اس آیت کو بھی وجاھدھم بہ جھادا کبیرا کے حکم ربانی سے کوئی تعلق نہیں کہ اس پر قیاس کرتے ہوئے وجاھد ھم بہ میں بہ سے مراد تلوار لے لی جائے۔

واقعتاً حال تو یہ سوچ کر ہی پریشان ہیں کہ کل کلاں آپ کے نظریات تلے پروان چڑھنے والے لوگوں کے ہاتھ میں اگر بخاری و مسلم کی یہ روایت آ گئی تو کیا ہوگا؟ اذا صلی احدکم الی شئی یستره من الناس فاراد احدان یجتاز بین یدیه فلید فعه فان ابی فلیقاتله فانما ھوا الشیطان۔

کہ اگر کوئی سترہ رکھے نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو وہ اسے روکے اور اگر وہ نہ رکے فلیقاتلہ تو وہ اس سے قتال کرے کیونکہ وہ شیطان ہے لوگ کہیں ہر مسجد کو ہی میدان قتال نہ بنا لیں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مخصوص صلاحیتوں سے نوازا ہے اس لئے جو لڑنا بھڑنا جانتے ہیں وہ اپنی سرگرمیوں کو اسی کام تک محدود رکھیں رب کے قرآن کو مشق گاہ نہ بنائیں قرآن فہمی اتنا آسان کام نہیں کہ ہر شخص اس کا دعویدار بن کھڑا ہو۔

۳۔ الفاظ کے معانی سمجھنے میں غلطی

ہر لفظ کا کوئی نہ کوئی معنی ہوتا ہے اگر اس لفظ کو کسی اور اصطلاحی معنی میں یا مخصوص الفاظ کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیا جائے تو اس لفظ کا معنی تو بدل جائے گا مگر اس کے ساتھ ساتھ جب وہ لفظ پہلی حالت میں استعمال ہوگا تو اس کا پہلا معنی بھی لوٹ آئے گا۔ اردو زبان میں ہم باغ چمن کو کہتے ہیں مگر اسی لفظ کو آپ دل کے ساتھ لگا کر پڑھیں دل باغ باغ ہونا تو باغ کا معنی خوشی ہو جائے گا لیکن اگر دل وغیرہ کو علیحدہ کر دیں تو باغ کا معنی پھر چمن ہی ہو جائے گا عربی میں تاب کا معنی لوٹنا ہے لیکن اگر اسے تاب الی لکھیں گے تو اس کا معنی توبہ کرنے کا ہو جائے گا اگر اسے تاب علی لکھیں گے تو اس کا معنی توبہ قبول کرنے کا ہو جائے گا مگر الی اور علی اتار دیں تو تاب کا معنی لوٹنا ہی ہے۔ صلوۃ کا معنی دعا ہے مگر اصطلاحی معنی نماز ہے بالکل اسی طرح زکوۃ کا معاملہ ہے زکوۃ اللہ کی طرف سے آئے ہر دین میں رہی ہے۔ وما امروا الا ..... اسی طرح جب

حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو زکوۃ اور نماز دونوں ہی ضروری قرار دیئے گئے لیکن مدینہ میں جا کر زکوۃ کی شرح و نصاب وغیرہ مقرر ہوئے اور زکوۃ کا لفظ مخصوص مال و دولت پر مخصوص شرح کیلئے استعمال ہونے لگا۔ لفظ وہی پرانا تھا مگر اس کے معنی میں تبدیلی آ گئی۔ لیکن اگر معنی حالات و شروحات کو بنا کر دیکھا جائے تو زکوۃ کا لفظ اپنے وہی پرانے معنی میں ہی پڑھا جائے گا اور اس سے مراد محض خدا کی راہ میں مال دینا ہی لیا جائے گا بغیر کسی مقرر مقدار کے۔

احسان اللہ صاحب آپ مندرجہ بالا قاعدہ نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اس مغالطے میں پڑے ہیں اور لکھتے ہیں۔

واقیموا الصلاۃ واتوا الزکوۃ یعنی نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں اقامت صلوۃ کا باجماعت اہتمام نہیں تھا اور نہ ہی مقررہ نصاب کے مطابق زکوۃ فرض ہوئی تھی۔ (المزمل ۲۰)

آپ نے اس مکی آیت میں زکوۃ کے لفظ سے یہ دھوکہ کھایا ہے کہ اس سے مراد متعین مال کی زکوۃ ہے۔ حالانکہ یہ بات طے ہے کہ مکہ میں زکوۃ سے مراد بغیر نصاب و مقدار کے ہی مال دینا

آپ نے پہلے تو زکوۃ کا معنی نہ سمجھا اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مکہ میں چونکہ زکوۃ مقررہ نصاب کے ساتھ نہ تھی مگر حکم زکوۃ مکی آیت میں موجود ہے اس لئے مدنی معاملے کا حکم مکہ میں دیا گیا ہے اسی طرح وجاھدھم بہ جھادا کبیرا کی آیت کے ذریعے تلوار کا حکم بھی مکہ ہی میں دے دیا گیا۔

حالانکہ واقیموا الصلاۃ واتوا الزکوۃ (المزمل ۲۰) میں وہی زکوۃ دینے کا حکم ہے جو مکہ میں فرض تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدکم واقیموا الصلاۃ واتوا الزکوۃ (النساء ۷۷)

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو۔ اسی طرح وما اتیتم من زکوۃ (الروم ۳۹) میں زکوۃ کا لفظ مکی زکوۃ ہی کیلئے ہے۔ سورۃ لقمان جو کہ مکی سورۃ ہے میں اقامۃ الصلوۃ اور ایتائے زکوۃ کا ذکر الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ کے الفاظ میں ہے۔

مکی سورۃ حم سجدہ میں تو ان مشرکین کیلئے خرابی بتائی گئی ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے ویل للمشرکین الذین لا یوتون الزکوۃ بر سبیل تذکرہ ہم یہ بھی بتاتے جائیں کہ اقیموا الصلوۃ کا معنی نماز کو صحیح طرح پڑھنا ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا اس سلسلے میں سورۃ لقمان کی آیت میں آنے والا یقیمون کا لفظ ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔

آپ نے لکھا ہے

کلو امن ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ ان (باغوں اور کھیتوں) کے پھلوں سے کھاؤ جب وہ پھل دیں اور ان کی کٹائی کے دن ان کا حق ادا کرو۔

مکی آیت ہے اور یہ مکہ میں کہاں پیداوار ہوتی تھی کون کھیتی باڑی کرتا تھا اور کہاں عشر یا نصف العشر وصول کیا گیا؟

آپ کو دو مقامات پر غلطی ہوئی ہے۔

(۱) آپ سمجھتے ہیں چونکہ یہ مکی آیت ہے اور مکہ میں پیداوار نہیں ہوتی تھی اس لئے یہ حکم مستقبل کیلئے ہے جیسے وجاھدھم بہ کا حکم مستقبل کیلئے ہے۔

(۲) آپ حق کو زکوۃ کے معنی میں لے رہے ہیں چونکہ مکہ میں زکوۃ کا متعین سلسلہ نہیں تھا اس لئے یہ حکم مستقبل کے ساتھ خاص ہے۔

آپ کی اطلاع کیلئے ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ مکی سورت اسے نہیں کہتے جو مکہ میں نازل ہوا جس کے مخاطبین صرف مکی لوگ ہوں اسی طرح مدنی سورۃ اسے نہیں کہتے جو مدینہ میں نازل ہوا جس کے مخاطب صرف مدنی لوگ ہوں مکہ ہجرت مدینہ سے پہلے کی تمام سورتوں کو مکی کہتے ہیں اور ہجرت مدینہ کے بعد کی تمام سورتوں کو مدنی چاہے ہو وہ مدینہ میں نازل ہوں یا مدینہ سے باہر۔ بدر واحد کے میدان میں نازل ہوں یا مکہ کی وادیوں میں اس طرح ضروری نہیں کہ مکی آیات میں صرف مکہ کے لوگوں کو ہی مخاطب کیا جائے نبی اکرم دعوت کے سلسلہ میں صرف مکہ میں ہی نہیں رہے بلکہ مکہ سے باہر جا کر بھی آپ نے دعوت کا کام کیا ہے طائف کی وادی کا سفر بھی تاریخ میں منضبط ہے۔ آپ کا طائف میں جانا انہیں اسلام کی دعوت دینا مگر طائف والوں کا اس دعوت کو ٹھکرا کر آپ کو زخمی

آپ کی اطلاع کیلئے ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ مکی سورت اسے نہیں کہتے جو مکہ میں نازل ہوا جس کے مخاطبین صرف مکی لوگ ہوں اسی طرح مدنی سورۃ اسے نہیں کہتے جو مدینہ میں نازل ہوا جس کے مخاطب صرف مدنی لوگ ہوں مکہ ہجرت مدینہ سے پہلے کی تمام سورتوں کو مکی کہتے ہیں اور ہجرت مدینہ کے بعد کی تمام سورتوں کو مدنی چاہے ہو وہ مدینہ میں نازل ہوں یا مدینہ سے باہر۔ بدر واحد کے میدان میں نازل ہوں یا مکہ کی وادیوں میں

کر دینا بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ جب آپ زخمی ہوئے تو آپ نے طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع ایک باغ میں پناہ لی۔ ادھر آپ کو جب باغ کے مالک ابنائے ربیعے نے دیکھا تو انہوں نے اپنے غلام عداس کو انگور کا ایک گچھا دے کر بھیجا اور آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ نبی اکرم کے مکی دور کے مخاطبین میں پھلوں کی کاشت کرنے والے لوگ بھی تھے۔ اور کلوامن ثمره اذا اثمر واتواحقه يوم حصاده کا حکم ان جیسے لوگوں کو ہی دیا گیا تھا۔ اسلئے اس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ مکہ میں پیداوار نہیں ہوتی تھی۔ اب رہ گئی بات حق کے لفظ کی چونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ مقررہ نصاب کے ساتھ فرض نہیں ہوئی تھی تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حق سے مراد وہی حق ہے جسے رسول اللہ نے ان في المال حقا سوى الزكوة مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ کہہ کر مقررہ زکوٰۃ کے علاوہ قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ کا یہ اشکال بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں مستقبل کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے جیسے وجاهدهم به میں ہے حالانکہ اس آیت میں بھی اس خرچ کی ترغیب دی گئی ہے جو مقررہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور جس کا ہر حکم مکہ میں بھی موجود تھا اس لئے آپ کی پیش کردہ اس دلیل کو بھی آپ کے مؤقف سے کوئی واسطہ نہیں۔

احسان صاحب! آپ نے وجاهدهم به جهادا كبيرا کا وہ مفہوم جو امت میں رائج چلا آتا تھا کو علماء کرام کے فہم کی غلطی قرار دیا ہے اور پھر اپنا اخذ کردہ مفہوم آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں

اب آیئے اصل مفہوم کی طرف:

علوم قرآن کے متعلق کتب تفسیر میں وضاحت کی گئی ہے کہ دین اسلام میں کچھ اہم کام ایسے بھی ہیں جن کی اہمیت اور لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے نیز بشارتیں دینے کیلئے ان کی فرضیت تو بعد میں ہوئی مگر ان کے تذکرے بہت پہلے کئے گئے۔

ہم حاشیہ کہتے ہیں کہ سرتوڑ کوشش کے باوجود ہم آپ کے اس اصل مفہوم کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکے۔ ایسی بے ہنگم اور بے جوڑ عبارت تخلیق کرنا آپ کے فہم ہی کا کارنامہ ہو سکتا تھا۔ آپ چلے تو تھے علماء کرام کے فہم پر طعن کرنے مگر آپ علماء کرام کے فہم پر طعن تو کیا ثابت کرتے آپ اپنے فہم کے عجیب وغریب نمونے سے قارئین کو مستفید کرنے میں ضرور کامیاب ہو گئے۔

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور یہ وہ شہر ہے کہ جس میں آپ مقیم ہیں اور انسانی باپ اور اولاد کی قسم کھاتا ہوں۔ یعنی وانت حل بهذا البلد ایک جملہ معترضہ ہے جو صرف یہ بتا رہا ہے۔ کہ اللہ جس شہر کی قسم کھا رہا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس میں نبی اکرم بنفس نفیس موجود ہیں یہاں کہیں بھی اس شہر کی حرمت اور اس کی حل کا مسئلہ درپیش نہیں ہے

آپ ایک اور آیت اور اس کا نتیجہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں

لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد یعنی اے پیغمبر میں اس شہر مکہ کی قسم کھاتا ہوں اور ایک دن یہی شہر میرے لئے حلال ہوگا۔ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اگر وہی اصول سامنے رکھا جائے تو کب آپ نے مکہ کو حلال کیا تھا اور اس میں کفار ومشرکین کو قتل کیا تھا؟

آپ کا کیا ہوا ترجمہ ہمیں قبول نہیں اگرچہ مفسرین اس کے بھی قائل ہیں لیکن یہ ترجمہ کسی طرح بھی سیاق وسباق سے میل نہیں کھاتا۔

حل کا لفظ قرآن میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کا معنی گرہ کھلنا بھی ہے۔ جیسے واحلل عقدة من لساني۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ بھی حلال ہونے کے معنی میں جیسے هذا حلال وهذا حرام یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

بھی اترنے اور نازل ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے او تحل قريبا من دار مصمر یا ان کے مکانوں کے قریب آفت نازل ہوگی۔ واحلو قومهم دار البوار۔ اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا

اب ہمیں وانت حل بهذا البلد
میں [illegible]
[illegible]
بهذا البلد میں
ہمیشہ اس شہر میں اترنے والا ہوں یعنی رہنے والا ہوں۔ حلیل خاوند کو اور حلیلۃ بیوی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ حلیل کمرے میں ساتھ رہنے والے یعنی (Roommate) کو بھی کہتے ہیں۔ اردو میں بھی محلّہ کے لفظ کا استعمال اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں لوگ مقیم ہوتے ہیں۔

بالکل اسی طرح وانت حل بهذا البلد میں حل مقیم کے معنی میں ہے۔

آیت کے سیاق وسباق اور مضمون سے بھی یہی مقیم کا ترجمہ مناسبت رکھتا ہے پچھلی آیت ملا کر پڑھیں تو یہ مفہوم بنے گا:

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور یہ وہ شہر ہے کہ جس میں آپ مقیم ہیں اور انسانی باپ اور اولاد کی قسم کھاتا ہوں۔ یعنی وانت حل بهذا البلد ایک جملہ معترضہ ہے جو صرف یہ بتا رہا ہے۔ کہ اللہ جس شہر کی قسم کھا رہا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس میں نبی اکرم بنفس نفیس موجود ہیں یہاں کہیں بھی اس شہر کی حرمت اور اس کی حل کا مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قسم کھاتے ہوئے یہ بتا تا کہ یہ شہر فتح مکہ کے بعد کچھ دیر کے لئے نبی کیلئے حلال ہو جائے گا۔ اب رہی احلت لی ساعة من نهار۔ کی حدیث کہ دن کا

وڑا اسا وقت میں سے لئے مکہ کو حلال کیا گیا۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس حلت کے حکم کو ضرور قرآن سے ہی ثابت کیا جائے۔ حالانکہ اس کی حلت کا حکم آپ کو وحی غیر متلو کے ذریعے بھی دیا جا سکتا ہے۔

مختصر یہ ہے اس آیت میں بھی آپ نے اپنی سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے پہلے تو حل کے ترجمہ میں غلطی کھائی اور پھر الزام بھی دوسروں پر دھر دیا۔

اس بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے تمہیں ہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

۳۔ مسئلہ شان نزول سمجھنے میں غلطی

آپ لکھتے ہیں۔

قل جاء الحق ومايبدى الباطل وما يعين کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نہ تو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرے گا (سبا ۴۹) اور قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

کہہ دیجئے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل مٹنے والا ہے:

مکی سورتیں ہیں اور مکی آیات ہیں بتائیں مکہ میں کہاں حق غالب آیا اور کہاں باطل دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔

یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چونکہ مکہ میں حق غالب نہیں آیا تھا بلکہ حق مدینہ میں غالب ہوا اس لئے یہ آیت بھی وجاهدهم به کی طرح ہے جس کا حکم مکہ میں آیا مگر پورا مدینہ میں جا کر ہوا

احسان صاحب! معلوم نہیں آپ نے یہ فلسفہ کہاں سے اخذ کیا ہے کہ مکہ میں حق غالب نہیں آیا تھا حالانکہ مکہ کے اس معاشرے میں جہاں شرک کفر کے ہولناک اندھیرے تھے۔ جہاں ظلمت اپنی انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ انسانیت کی تذلیل قابل فخر سمجھی جاتی تھی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا ایسے میں جب اسلام کی کرنیں اس مکہ میں پھوٹیں تو دیکھتے ہی دیکھتے ظلم کی گھٹائیں چھٹنے لگیں شرک کی جگہ توحید کی بہاریں ہر سو دیکھی جانے لگے۔ کفر کی وادیوں میں قمر اسلام طلوع ہونے لگا اور ایسی شخصیات اسلام اور حق کے دامن میں پناہ لینے لگیں جو کفر کا مایہ ناز سرمایہ تھیں۔ حق نازل ہونے کے بعد پھیلتا ہی چلا گیا اور باطل مٹنے لگے۔ اسی بات کو قرآن نے جاء الحق وزهق الباطل کے الفاظ میں ادا کیا ہے آپ کو اصل میں یہ غلط فہمی ہے کہ اسلام اس وقت تک غالب نہیں ہوا جب تک اسے سیاسی غلبہ نصیب نہیں ہوا حالانکہ اسلام اپنی حقانیت اور دلائل قاطع کی وجہ سے اس چیز کا محتاج نہیں ہے کہ بزور بازو سیاسی طریقہ سے نافذ کیا جائے بلکہ یہ قلوب و اذہان کو متاثر کرنے والا مذہب ہے اور یہ بہت سے لوگوں پر مکہ میں ہی غالب ہو چکا تھا۔ اور حق کے اس غلبہ سے خوف زدہ ہو کر ہی کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ اس قرآن کو نہ سنو اور شور وغوغا کرو لعلكم تغلبون تا کہ تم غالب آ جاؤ۔ ظاہر ہے وہ دیکھ رہے تھے کہ حق غالب آ رہا ہے اور باطل مٹتا چلا جا رہا ہے اس لئے وہ اپنا کھویا جانے والا غلبہ دوبارہ حاصل کرنے کیلئے مختلف حیلے اختیار کیا کرتے تھے۔

اس لئے معلوم ہوا کہ آپ کا قائم کردہ نظریہ کہ حق مکہ میں غالب نہیں تھا بالکل غلط ہے اور آپ کا سوال کہاں باطل دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ حقائق اور تاریخ اسلام سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے

دوسری غلط فہمی آپ کو یہ ہوئی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن مسعود کے قل جاء الحق کے متعلق السيف والاينه مكية متقدمه على فرض القتال

کہنے سے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ آیت تلوار کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور یہاں جاء الحق سے مراد تلوار کے ذریعے غلبہ ہے اور نبی اکرم کے فتح مکہ کے موقع پر بتوں کو توڑتے وقت جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا کے کلمات ادا کرنے سے آپ نے یہ سمجھا کہ یہ آیت اور اس میں پایا جانے والا حق کے غلبے کا مژدہ شاید فتح مکہ کے دن ہی پورا ہوا ہے۔

یہ غلط فہمیاں آپ کو مسئلہ شان نزول نہ سمجھنے سے لاحق ہوئی ہیں۔ شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں الفهم لايستعملون نزلت فى كذا لمحض قصة كانت فى زمنه وهى سبب نزول الآية بل ربما يذكرون بعض ما صدقت عليه الآية مما كان فى زمنه اور بعده ويقولون نزلت فى كذا.

کہ صحابہ کرام اور تابعین صرف آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق ہی یہ نہیں کہتے کہ یہ آیت اس مسئلہ میں نازل ہوئی ہے بلکہ وہ ہر اس بات پر نزلت فى كذا کہہ دیتے تھے۔ جس پر آیت دلالت کر رہی ہو چاہے وہ واقعہ آپ کے دور کا ہو یا آپ سے بعد کے دور کا۔

عبداللہ بن مسعود کا آیت کو تلوار کے متعلق قرار دینا ان کے اپنے فہم کا نتیجہ ہے اس سے یہ تو ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ابن مسعود نے آیت کو تلوار کے معنی میں استعمال کیا ہے مگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ آیت نازل بھی اسی معنی میں ہوئی تھی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم آج بھی اپنی تحریروں اور خطبات میں جدید مسائل کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے آیات قرآنی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ آیات میں اعتبار الفاظ کے عموم کا کیا جاتا ہے۔ مخصوص سبب کا نہیں۔ العبرة بعموم اللفظ ولا بخصوص السبب

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ رونما ہوا جس پر وہ ضرب المثل پوری ہو رہی ہو تو ہم اسے بیان کرنے لگتے ہیں جس طرح ایک شاعر نے کہا ہے کہ:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اب ظاہر ہے کہ یہ شعر شاعر نے مخصوص وقت و حالات میں مخصوص شخصیت کیلئے ہی کہا ہوگا جو خود اپنے داؤ کا شکار ہو گیا ہوگا لیکن آج تلک جب کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جائے جس میں شکار کرنے

۱۱الا خود شکار ہو رہا ہو تو ہم ''لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا'' کہہ دیتے ہیں۔

اور ہمارے اس طرح کہنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ شاعر کا صیاد ابھی ابھی پھنسا ہے بلکہ ہم اپنے لحاظ سے صیاد کو متعین کرتے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

جاء الحق وزهق الباطل کا جملہ بھی اک ضرب المثل کی صورت اختیار کر چکا ہے جب کبھی حق کا غلبہ ہوا اور باطل مٹنے لگے تو ہم اس آیت کریمہ کو پڑھتے ہیں تو اس سے ہماری غرض یہ نہیں ہوتی کہ آج سے پہلے کبھی حق غالب نہیں تھا۔ حضرت محمدؐ نے بھی فتح مکہ کے وقت بتوں کو پاش پاش کرتے وقت جب اس آیت کی تلاوت کی تو اس کا یہ مطلب تھا یا اس سے پہلے حق غالب ہی نہ ہوا تھا۔

۴۔ سیاق و سباق کی مخالفت

آپ لکھتے ہیں

ومن احسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا

اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے (حم سجدہ ۳۳)

بقول سیدہ عائشہ اور سیدنا ابن عمر یہ آیت موذنین کے متعلق ہے آیت مکی اور اذان کی فرضیت مدینہ میں ہوئی مکہ میں کہاں اذان تھی اور کہاں موذن تھے؟

قد افلح من تزكى وزكر اسم ربه فصلى (الاعلى ۱۴، ۱۵)

بحوالہ بیہقی ابن عمر کہتے ہیں کہ زکوۃ الفطر کے متعلق ہے اب سورۃ مکی ہے جب کہ مکہ میں روزے تھے نہ عید اور نہ ہی فطرانہ؟

آپ کے دیئے گئے عائشہ اور ابن عمر کے اقوال معلوم نہیں کہ ان بزرگوں کی زبان سے نکلے ہیں یا نہیں لیکن ایک لمحہ کیلئے فرض کریں کہ یہ اقوال واقعتاً انہی حضرات کے ہیں تو ہم آپ کے الفاظ میں ہی آپ سے کہتے ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ شخصیات کی وجہ سے اپنے عقیدے نہ بدلیں بلکہ حق کو تسلیم کر کے اس پر تعاون کریں

> **قرآن کی کسی آیت کا مفہوم جب سیاق وسباق سے ہٹ کر لیا جائے گا تو بہت احتمال ہے کہ وہ غلط ہو۔ اس لئے جس آیت کا معنی ومفہوم سمجھنا ہو اس کو سلسلہ کلام کے تناظر میں ضرور دیکھنا چاہیئے**

قرآن کی کسی آیت کا مفہوم جب سیاق وسباق سے ہٹ کر لیا جائے گا تو بہت احتمال ہے کہ وہ غلط ہو۔ اس لئے جس آیت کا معنی ومفہوم سمجھنا ہو اس کو سلسلہ کلام کے تناظر میں ضرور دیکھنا چاہیئے

سورۃ حم السجدۃ میں جو مضمون بیان ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کفار کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ مختلف طریقے اختیار کر کے اس دعوت اور داعی سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے کبھی کہتے قلوبنا فی اکنة مماتدعونا ليه وفی آذاننا وقر ومن بيننا وبينك حجاب .

تو جس کی طرف ہمیں دعوت دے رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے (حم السجدۃ ۵)

کبھی کہتے لا تسمعوا لهذا القرآن قرآن و نہ سنو (حم السجدة ۲۶)

اللہ نے کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے کہ جس شخص (محمدؐ) کی دعوت سننے سے تم بھاگ ر ہو اس کی دعوت سے اچھی دعوت بھی کسی کی ہے اسے چھوڑے جاتے ہو

ومن احسن قولا ممن دعا الله وعمل صالحا (حم السجدة ۳۳) .

یعنی اس شخص سے اچھی دعوت بھی کس ہوسکتی ہے جس کی پکار اپنی ذات قبیلے کیلئے نہیں ذ مفادات اور دنیوی فائدوں کے لئے نہیں بلکہ و اللہ کی طرف ہی تمہیں بلاتا ہے اور پھر اس کا قول ا کے فعل سے متضاد نہیں بلکہ وہ جو کہتا ہے اس پر عمل بھ کرتا ہے۔ اس شخص کے اخلاق کا مقابلہ کوئی کرسک ہے جو دشمنوں کے نرغے میں ہونے کے باوجو بڑے دھڑلے سے اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہے۔

اننی من المسلمین حم السجد ۳۳ کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

خلوص دل کے ساتھ غور کیجئے یہاں کہیں اذان کا موذن کا ذکر ہے جو آپ اسے اپنے موقف کی تائید میں پیش کر رہے ہیں؟ اگر حضرت عائش اور ابن عمرؓ نے اسے موذن کے بارہ میں کہا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اذان ایک اچھی دعوت ہے او موذن اچھا داعی لوگ نماز کی دعوت پر لبیک کہنے میں اگر سستی کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ک نماز کی دعوت سے اچھی دعوت بھی کوئی ہوسکتی ہے اور پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھ دیا ہوگا جس ک ترجمہ تقریبا یہی بنتا ہے۔

یہی معاملہ قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلى کی آیت کا ہے

اللہ نبی اکرم سے کہہ رہے ہیں کہ ج دعوت آپ دیں گے سیذکر من یخشی ڈرنے والا نصیحت لے گا۔ ویتجنبها الاشقى۔ بدبخت اس سے گریز کرے گا۔ اس کے بعد بدبخت کو جہنم کی خبر دینے کے بعد ڈرنے والے کے انعام کا ذکر ان